

معراج النبی ﷺ

حصہ اول

مفتی منیب الرحمن

معراج النبی ﷺ رسول اکرم ﷺ کا سب سے ”مُخَيَّرُ الْمُعْتَمَلِ“ یعنی انسانی عقول کو حیرت زدہ اور دنگ کرنے والا معجزہ ہے۔ اصطلاح شریعت میں ”معجزہ“ سے مراد ”مدعی نبوت کی ذات سے کسی ایسے امر کا صادر ہونا ہے، جس کی نظیر پیش کرنے سے انسان عاجز آجائیں“ قرآن مجید میں ”معجزے“ کے لئے ”آیۃ“، ”بَیِّنۃ“ اور ”بُرہان“ کے کلمات آئے ہیں۔ معجزہ کا لفظ ہمارے ”علم الکلام“ کی اصطلاح ہے۔ معجزہ اسے کہتے ہیں، جس کے ذریعے کسی سچے ”مدعی نبوت“ نے اپنے عہد کے کفار کے ساتھ ”تَحَدِی“ کی ہو، یعنی منکرین کو مقابلے Challenge دیا ہو، جیسے قرآن مجید معجزہ ہے، جب کفار مکہ نے اسے ”کلام اللہ“ اور ”وحی ربانی“ ماننے سے انکار کیا، تو قرآن نے اُن کے دعوے کو ان کلمات میں بیان فرمایا:

”اور کافروں نے کہا: یہ قرآن تو صرف من گھڑت بات ہے، جس کو اس (رسول) نے (اپنی طرف سے) گھڑ لیا ہے اور اس پر دوسرے لوگوں نے ان کی مدد کی ہے، سو ان کافروں نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا۔ اور انہوں نے کہا: (یہ) گزشتہ لوگوں کے (قصے) کہانیاں ہیں، جن کو اس (رسول) نے لکھوا لیا ہے، جو ان پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں، (الفرقان: 4-5)۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انہیں کئی مراحل میں چیلنج دیا کہ جب تمہارے دعوے کے مطابق یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے، بلکہ (معاذ اللہ!) اس نبی کا خود ساختہ کلام ہے، تو تمہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز ہے، پس تم اس کے مقابلے میں ایسا ہی کلام بنا لاؤ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (۱) ”کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے (یہ) قرآن (تو خود گھڑ لیا ہے؟ آپ کہیے! پھر اس جیسی دس سورتیں گھڑی ہوئی تم (بھی) لے آؤ اور اللہ کے سوا (اپنی مدد کے لئے) جس کو بلا سکتے ہو، بلاؤ، اگر تم سچے ہو (ہود: 13)۔“ (۲) ”اور جو کلام ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کیا ہے، اگر تمہیں اس (کے کلام اللہ ہونے) کے بارے میں کچھ شک ہے، تو اس کی مانند کوئی (چھوٹی سی) سورت تم بھی بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے (تمام) مددگاروں کو بھی بلاؤ، اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو، (البقرہ: 23-24)۔“

پھر قرآن نے فیصلہ کن بات ارشاد فرمائی: ”آپ کہہ دیجئے! اگر تمام انسان اور جن مل کر (بھی) اس قرآن کی مثل لانا چاہیں، تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکیں گے، خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں، (الاسراء: 88)۔“ اس کے بعد کفار مکہ نے کٹ جھٹی کا سلسلہ شروع کیا اور فرمائشی معجزات کا مطالبہ کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور انہوں نے کہا: اس رسول پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے، تو ان کا کام پورا ہو چکا ہوتا، پھر انہیں سہلت ندی جاتی (یعنی اتمام نجات کے بعد وہ عذاب الہی کے حق و اقرار پا جاتے) اور اگر ہم

اس رسول کو فرشتہ بنا دیتے، تب بھی اس کو (صورۃ) مرد (ہی) بناتے، تو ہم ان کو اسی اشتہاد میں ڈال دیتے، جس میں اب جتلا ہیں، (الانعام: 8-9)۔“

یعنی اصل ملکی صورت میں تو وہ فرشتے کو دیکھ نہ سکے اور وہ بشری صورت میں آئے، تو ان کا اعتراض پھر قائم رہے گا کہ یہ تو ہم جیسا بشر ہے۔ کبھی ان کفار مکہ کا مطالبہ یہ ہوتا کہ ہمارے مرے ہوئے آباء و اجداد اگر ہمیں برزخ و آخرت کے حالات بتائیں تو ہم تب مانیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مردے اُن سے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز کو اُن کے سامنے جمع کر دیتے، تب بھی وہ ایمان نہ لاتے، (الانعام: 111)۔“ اس کے باوجود کفار مکہ کا طرح طرح کے فرمائشی معجزات کا مطالبہ جاری رہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اور انہوں نے کہا: ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دیں یا آپ کے لئے سمجھوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو، پھر آپ اُن کے درمیان سے بہتے ہوئے دریا جاری کر دیں یا جس طرح آپ کہتے ہیں، ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے (بے حجاب) لے آئیں یا آپ کے لئے سونے کا کوئی گھر ہو یا آپ (ہمارے سامنے) آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم (محض) آپ کے (آسمانوں پر) چڑھنے پر (بھی) ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر کتاب نازل کریں، جس کو ہم پڑھیں، (اے رسول!) کہہ دیجئے! (میں کوئی شعبہ بے بازنہیں ہوں) میرا رب پاک ہے، میں تو صرف ایک بشر ہوں، جس کو رسول بنایا گیا ہے، (بنی اسرائیل 90-93)۔“

الغرض قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں معجزے کے لئے ”ایہ“ کا کلمہ آیا ہے، جس کے معنی ہیں: ”نفاثی اور دلیل“ اور قرآن مجید کے ایک جملے کو بھی آیت کہتے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے قرآن کریم کی ہر آیت اپنی جگہ ایک معجزہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعت محدود مدت کے لئے تھی، اس لئے ان کے معجزات بھی آج اپنی اصل شکل میں باقی نہیں ہیں اور ختم المرسلین ﷺ کی شریعت چونکہ قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے قرآن مجید کی صورت میں آپ کا معجزہ بھی قیامت تک اپنی حقیقی صورت میں کسی تحریف اور تحریف و تبدل کے بغیر قائم و دائم رہے گا۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت جلیلہ ہے۔

قرآن کریم نے معراج النبی ﷺ کو ”اسراء (رات کی سیر کرانے)“ سے تعبیر کیا ہے اور یہ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت مبارکہ کے کلمہ ”اسریٰ یسعیہ“ سے ماخوذ ہے۔ احادیث مبارکہ میں اسے ”معراج النبی ﷺ“ کا عنوان دیا گیا ہے اور یہ حدیث مبارکہ کے کلمات ”ثم عرجَ بى“ سے ماخوذ ہے، یعنی پھر مجھے مسجد اقصیٰ سے بلندی کی طرف لے جایا گیا۔ ”معراج“ کے معنی ہیں: بلندی کی طرف جانے کا آلہ یا سیڑھی، جسے آج کل ”Elevator“ کہتے ہیں، اسی طرح چاند تک یا خلائی سفر پر جانے کے لئے طاقت و دراکٹ سے خلائی جہاز کو روانہ کیا جاتا ہے۔ بعض محدثین کرام نے اس بے مثال سفر کو تین مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ ”اسراء“ مسجد حرام سے ”براق“ کے ذریعے مسجد اقصیٰ تک کا سفر، ”معراج“ مسجد اقصیٰ سے ”سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی“ تک کا سفر اور ”اعراج“ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی سے لامکان تک یعنی حضوری بارگاہ رب العالمین تک کا سفر، جس کے لئے احادیث میں ”رُفُوف“ کا نام بھی آیا ہے۔ مجموعی حیثیت سے اہل سیرت اور محدثین کرام اس واقعے کو ”معراج النبی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔

معراج النبی ﷺ کا ذکر قرآن مجید میں نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت مبارکہ میں آیا ہے اور یہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر اور اس کی حکمتوں کا بیان ہے، اس مرحلہ معراج کا مطلق انکار کفر ہے، کیونکہ یہ براہ راست قرآن کا انکار ہے۔ اور اس کے علاوہ ”سورۃ النجم“ کی ابتدائی اشارہ آیات مبارکہ میں اشارات و کنایات کے ساتھ آسمانوں اور اُن سے ماوراء مشاہدہ قدرت، آیات کمرئی، قرّب باری تعالیٰ اور براہ راست وحی ربانی کا بیان ہے۔

معراج النبی ﷺ کا واقعہ کتب احادیث میں ایک ترتیب کے ساتھ بیان نہیں ہوا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سفر کے مختلف مراحل کو مختلف مجالس میں بیان فرمایا اور صحابہ کرام نے جس طرح سنا اُسے اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیا۔ اُس دور میں واقعات کو تاریخی اور واقعاتی ترتیب کے ساتھ مرتب و مدوّن کرنے کا رواج بھی نہ تھا بلکہ اصل مقصد ابلاغ تھا کہ جو بات یا واقعہ رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے، اُسے لفظ بلفظ محفوظ کر لیا جائے اور اس کا ابلاغ ہو جائے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکمت مبارکہ کے تحت مختلف مواقع پر اسے بیان فرمایا، کیونکہ آپ کا بنیادی مقصد بھی ابلاغ اور ہدایت تھا۔ صحابہ کرام کا معمول یہ تھا کہ جو بات انہوں نے سنی اور جس طرح سنی اُسے بیان کر دیا۔ معراج کی ایک حکمت خود قرآن نے بیان فرمادی: ”اور ہم نے جو مشاہدہ (ہب معراج) آپ کو دکھایا تھا، وہ لوگوں کے لئے ایک آزمائش تھا (کہ کون کسی تردد کے بغیر تصدیق کرتا ہے اور کون اسے عقل کی میزان پر پرکھ کر رد کر دیتا ہے)۔ (بنی اسرائیل: 60)۔“

واقعہ معراج تیس سے زائد صحابہ کرام سے مروی ہے اور حدیث شریعت کو پہنچا ہوا ہے۔ میں نے تفسیر اور حدیث و سیرت کی کسی کتاب میں اس واقعہ کا بیان اتنا مربوط نہیں دیکھا جتنا کہ عظیم مفسر و محدث علامہ غلام رسول سعیدی نے اپنی تفسیر تبيان القرآن، جلد: 6، ص 643-615 اور شرح صحیح مسلم جلد اول صفحات 671 تا 778 میں تمام تر تفصیلات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پورے واقعے کو تمام کتب احادیث کی روایات کو مربوط کر کے انہوں نے واقعاتی اور معنوی ترتیب کے ساتھ شرح صحیح مسلم، جلد: 1، صفحات 716 تا 732 میں بیان کیا ہے اور حدیث کی جس کتاب کا جو حصہ جہاں جہاں واقعاتی مناسبت کے ساتھ بیان کیا ہے، اسی مقام پر اصل ماخذ کے حوالہ جات بھی دے دیئے ہیں اور ماشاء اللہ یہ ایک تفرّد و امتیاز ہے، جس کی سعادت سے اللہ عزوجل نے انہیں بہرہ ور فرمایا ہے۔ اس علمی، تاریخی، فکری اور نظریاتی کاوش کی صحیح قدر دانی وہی صاحبانِ علم کر سکتے ہیں، جو تقابلی مطالعے کا ذوق رکھتے ہیں۔ دیگر متعلقہ ابحاث یہ ہیں: (۱) معراج کا جسمانی اور بیداری کی حالت میں ہونا اور اس کے دلائل (۲) شش صدر کا واقعہ (۳) رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں مختلف موقت اور رؤیت یعنی کی بابت ترجیحی دلائل (۴) نماز پنجگانہ کی فرضیت اور اس کی تفصیلی بحث (۵) عہد صحابہ میں معراج کے مقام کے آغاز کے بارے میں مختلف اقوال اور ان میں تطبیق (۶) بیت المقدس میں انبیائے کرام کی امامت، قبر میں موسیٰ علیہ السلام کی زیارت، آسمانوں پر مختلف انبیاء کرام سے ملاقاتیں اور انبیاء کرام کا متعدد مقامات پر موجود ہونا (۷) نمازوں میں تخفیف، اُس کی حکمت اور دیگر مسائل، الغرض عظمت و محبت مصطفیٰ ﷺ کے جذبات سے معمور ہستی ایمان افروز مباحث ہیں اور یہ ایک نادر شاہکار ہے۔

(روزنامہ دنیا، 22 اپریل 2017ء)

معراج النبی ﷺ

(حصہ دوم)

مفتی منیب الرحمن

معراج کب ہوئی، اس کے بارے میں ایک سے زائد اقوال و روایات ہیں، لیکن روایات کا یہ اختلاف واقعہ کی حقیقت پر اثر انداز نہیں ہوتا، کیونکہ اصل مقصود واقعے کا حق ہونا اور اس کا بیان ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے تاریخ کا بیان ثابت نہیں ہے، کیونکہ تاریخ کا تعین معراج کے ایک حقیقت ہونے اور اس کے مقصد کے لئے ضروری نہیں ہے۔ راویان حدیث نے اپنی اپنی یادداشت کے مطابق حوالہ دیا ہے، تاہم مشہور روایات کے مطابق یہ عظیم المرتبت اور بے مثال واقعہ ہجرت نبوی سے کم و بیش ڈیڑھ سال قبل 27 رجب المرجب کی شب کو وقوع پذیر ہوا۔

غلام احمد پرویز صاحب سرے سے کسی معراج جسمانی یا مائانی (یعنی خواب کے عالم میں، جسے ”رُویا“ کہتے ہیں) کے قائل نہیں ہیں۔ بنی اسرائیل 11 میں رات کے جس سفر یا سیر کا ذکر ہے، ان کے نزدیک اس سے مراد ہجرت کا واقعہ ہے، جو رات کے وقت ہوا اور ”مسجد اقصیٰ“ سے مراد مدینہ منورہ ہے، جو اس وقت ”یثرب“ کہلاتا تھا، حالانکہ اس وقت یثرب میں کوئی مسجد موجود ہی نہیں تھی۔

چنانچہ وہ ”سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ“ کے تحت لکھتے ہیں: ”مکہ کی سرزمین حضور (اور آپ کی جماعت) پر تک ہو چکی تھی، اس لئے آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، جہاں کی فضا آپ کے مشن کے لئے وسیع اور کشادہ تھی۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ ”سُورَةُ يَسْرَى“ سے ہے اور ”يَسْرَى“ کا کید مزید کے لئے ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضور نے ہجرت رات کے وقت فرمائی تھی، (لغات القرآن، ص 872)۔ مزید لکھتے ہیں: ”السَّجْدَةُ الْاَقْصَى“ بہت دور کی مسجد، عام طور پر اس سے مراد ”بیت المقدس“ لیا جاتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اس سے مراد مدینہ منورہ ہے، جو مکہ سے قریب تین سو میل دور ہے اور جس کی طرف نبی اکرم ﷺ رات کے وقت ہجرت کر کے تشریف لے گئے تھے اور جسے اب اس جماعت کی سجدہ گاہ بننا تھا، یعنی ان کے نظام اطاعت و فرماں پذیری کا مرکزی مقام، (لغات القرآن، ص 71-1370)۔“

مولانا امین احسن اصلاحی بھی حالت بیداری میں معراج جسمانی کے قائل نہیں ہیں، بلکہ اسے ”رُویا“ (یعنی خواب) سے تعبیر کرتے ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ انبیائے کرام کے رُویا، ”رُویائے صادقہ“ ہوتے ہیں، جو ”وہی“ کی ایک صورت بھی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”رہا یہ سوال کہ یہ جو کچھ آپ کو دکھایا گیا، ”رُویا“ میں دکھایا گیا یا بیداری میں، تو اس سوال کا جواب اسی سورہ میں آ کر قرآن نے خود دے دیا ہے، فرمایا ہے: ”وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ“، ترجمہ: ”اور ہم نے اس ”رُویا“ کو جو تمہیں دکھائی، لوگوں

کیلئے تفسیری بنادی۔“ ظاہر ہے کہ یہاں جس ”زویا“ کی طرف اشارہ ہے، اُس سے اس ”زویا“ کے سوا کوئی اور ”زویا“ مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جس کا ذکر زیر بحث آیت میں ”لِنُرِيَهُ مِنْ اَحْنَا“ کے الفاظ سے ہوا ہے۔ لفظ ”اِحْنَا“ قرآن میں متعدد مقامات میں ”زویا“ میں دکھانے کے لئے آیا بھی ہے اور مفسرین نے اس سے یہی ”زویا“ مراد بھی لی ہے۔ اس وجہ سے اس کا ”زویا“ ہونا تو اپنی جگہ پر واضح بھی ہے اور مسلم بھی، لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ”زویا“ کو خواب کے معنی میں لینا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ خواب، ”خواب پریشاں“ بھی ہوتے ہیں، لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام کو جو ”زویا“ دکھائی جاتی ہے، وہ ”زویائے صادقہ“ ہیں اور وحی الہی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں پر جس طرح فرشتے کے ذریعے سے کلام کی صورت میں اپنی وحی نازل فرماتا ہے، اسی طرح کبھی ”زویا“ کی صورت میں بھی ان کی رہنمائی فرماتا ہے، (تدبر قرآن، جلد 4، ص: 475)۔

مشہور اسکالر جناب سر سید احمد خان دیگر متجذد دین سے دس قدم آگے ہیں، وہ دوسرے سے معجزات کے قائل ہی نہیں ہیں، اس لیے وہ اُن کی ایسی تعبیر و تشریح کرتے ہیں جو عقل کے مطابق ہو یا بقول اُن کے قوانین فطرت کے مطابق ہو۔ چنانچہ سر سید احمد خان صاحب ”معراج النبی ﷺ“ پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ کا جسمانی طور پر رات کو بیت المقدس جانا اور وہاں سے ایک سیر می کے ذریعے آسمانوں پر جانا قانون فطرت کے خلاف ہے اور عقلاً محال ہے۔ اگر معراج النبی ﷺ کے راویوں کو مجھ بھی مان لیا جائے، تو یہی کہا جائے گا کہ انہیں سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ یہ کہہ دینا کہ اللہ اس پر قادر ہے، یہ جاہلوں اور مرفوع القلم لوگوں کا کام ہے، یعنی ایسے لوگ مجنون کے حکم میں ہیں، سچے مومن ایسی بات نہیں کہہ سکتے۔ قانون فطرت کے مقابل کوئی دلیل قابل قبول نہیں ہے۔ ایسی تمام دلیلوں کو انہوں نے راوی کے سہو اور خطا، دور از کار تاویلات، فرضی اور ریک دلائل سے تعبیر کیا، (تفسیر القرآن، جلد 2، ص: 122-123)۔“ یہ سر سید احمد خان کی طویل مہارت کا خلاصہ ہے۔ الغرض سر سید معجزات پر ایمان رکھنے والوں کو جاہل اور دیوانے قرار دیتے ہیں، ہمیں وحی ربانی کے مقابل کھڑی ہونے والی عقل کی فرزانگی کے بجائے دیوانگی کا طعن قبول ہے، کیونکہ قدرت باری تعالیٰ کی جلالت پر ایمان لانے ہی میں مومن کی سعادت ہے اور یہی عشق مصطفیٰ ﷺ کا تقاضا ہے۔

اس سے آپ پر واضح ہو گیا کہ جناب سر سید احمد خان کے نزدیک قانون فطرت اور عقل کے منافی مشہور روایات اور صحیح احادیث بھی قابل قبول نہیں، لہذا اُن کے نزدیک ایسی تمام روایات و احادیث رد کردی جائیں گی۔ اس کے برعکس ہر مسلمان کے نزدیک معیار حق وحی ربانی اور فرمان رسول ہے، نہ کہ قوانین فطرت۔ ہم وحی ربانی کو مادرائے عقل تو کہہ سکتے ہیں، لیکن اسے ضد عقل (Irrational) ہرگز نہیں کہہ سکتے اور عقلی بنیاد پر وحی ربانی کو رد کرنے کے مقابلے میں عقل کی نارسائی کا اعتراف بہتر ہمارا ہے۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت ایسے امور وجود میں آ رہے ہیں، جن کو آج سے چند سو سال پہلے کا انسان اسی طرح قوانین فطرت کے خلاف اور عقلی اعتبار سے محال تصور کرتا۔ آج ہم اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ انسان سائنسی علم اور ٹیکنالوجی کی بدولت فضاؤں میں جو پرواز ہے، ہزاروں سیلابت فضا میں معلق ہیں۔ انسانی ساختہ راکٹ کی طاقت سے خلائی شٹل چاند پر پہنچی اور واپس صحیح سالم اتر آئی اور ابھی انسانیت کا یہ سفر ارتقا جاری ہے۔ اگر آج سے پانچ سو سال پہلے کے انسان کے سامنے کوئی اس طرح کا دعویٰ کرتا، تو کیا اسی طرح

محال عقلی اور قانون فطرت کے خلاف قرار دے کر اُسے رد نہ کر دیا جاتا، اسی لئے تو علامہ اقبال نے کہا تھا:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

یعنی واقعہ معراج نے انسان کے لئے بالائی فضاؤں اور خلاؤں میں کمندیں ڈالنے کے امکانات روشن کئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت بلاشبہ انسان کی پیدا کردہ مادی طاقت اور عقل انسانی کے مقابلے میں لامحدود ہے، اسی لئے تو غالب نے معراج النبی ﷺ کی رفعتوں کے بارے میں کہا تھا:

ہر کس بقدر خویش بجائے رسیدہ است آں چاکہ جائے نیست، تو آنجا رسیدہ امی

امام احمد رضا قادری نے کہا تھا:

وہی لامکاں کے کیس ہوئے، سرعرش تخت فیش ہوئے وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں، وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: ”سدرۃ المنتہی کیا ہے؟، انسانی فہم و ادراک کی سرحد کے اخیر پر ایک درخت۔ کیا اس کو نُـوُـن و صفات الہی کی نیرنگی نے ڈھانک لیا؟، کیا انسانی فہم و ادراک کی اخیر سرحد کا درخت صرف نُـوُـن و صفات کی نیرنگی کا مظہر ہے؟، کیا یہاں پہنچ کر کون و مکان اور وجوب و امکان کا عقدہ مشکل حل ہو گیا؟، کیا دل بھی دیکھتا ہے؟، حضور ﷺ نے دل کی آنکھوں سے کیا دیکھا؟، دیدہ چشم سے کیا نظر آیا؟، آپ ﷺ کو اس سفر میں آیات ربانی دکھائی گئیں، مگر یہ مشاہدہ قلب تھا یا معائنہ چشم؟، ع: راز ایں پردہ نہاں است و نہاں خواہد بود، (سیرۃ النبی، جلد سوم، ص: 268)۔ ”نُـوُـن“ کا مفہوم ومعنی ہے: ”قدرت الہی کے بڑے بڑے مظاہر اور باری تعالیٰ کی عظیم شانیں۔“

اسی لئے تو بعض اہل نظر کہتے ہیں کہ معراج کے موقع پر زمان و مکان کی بنفیس رک گئیں اور وجوب امکان کے فاصلے رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ کی قدرت سے سٹ گئے۔ علامہ شبلی نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یقیناً ملاحظہ فرمایا ہوگا: ”نگاہ (مصطفیٰ) نے جو دیکھا، قلب (مصطفیٰ) نے اُس کی تکذیب نہیں کی (یعنی تصدیق کی)، کیا تم اُن سے اُس کی بابت جھگڑ رہے ہو، جو اُنہوں نے دیکھا، (انجم 11-12)۔“

رسول اللہ ﷺ کے اِس دعوائے معراج کے پہلے غلط فہمیں اہل مکہ تھے، وہ اہل زبان بھی تھے اور اُنہوں نے دعوے کی حقیقت کو جان بھی لیا تھا۔ اگر یہ محض خواب میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ یا آسمانوں کی سیر کرنے کا دعویٰ ہوتا، تو اس پر اتنی بحث و تحیس کی نوبت ہی نہ آتی۔ آج بھی کوئی شخص عالم خواب میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کی سیر کا دعویٰ کر سکتا ہے، اعتراض کا تو سبب ہی یہی تھا کہ اُنہوں نے اِس دعوے کو خواب پر محمول نہیں کیا، بلکہ عالم بیداری میں بظاہر ایک ناقابل یقین سفر کا دعویٰ سمجھا۔ اسی لئے تو قرآن نے اِسے فتنہ یعنی آزمائش قرار دیا ہے اور اس کو سوائے ذریعے مومنین صادقین اور معابدین و منکرین کو چھانٹ کر جدا کر دیا۔ لہذا مکہ نے اِسے تو امین فطرت کے خلاف اور عقل کی ضد جانا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی تڑو و کے بغیر کہا: ”اگر یہ دعویٰ محمد رسول اللہ نے کیا ہے، تو میں اِس کی تصدیق کرتا ہوں، تم اِس ایک دعوے کے بارے میں تڑو ڈرتے ہو، اُن کے پاس تو آئے دن جبریل امین باری تعالیٰ کی وحی لے کر آتے ہیں اور ہم اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔“